

تفہیم القرآن

النور

نام | پانچویں رکوع کی پہلی آیت **اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول | یہ امر متفق علیہ ہے کہ یہ سورت غزوہ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے۔ خود قرآن کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا نزول واقعہ اُفک کے سلسلے میں ہوا ہے (جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ دوسرے اور تفسیر کے رکوع میں آیا ہے) اور وہ تمام معتبر روایات کی رو سے غزوہ بنی المصطلق کے سفر میں پیش آیا تھا۔ لیکن اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا یہ غزوہ شہد مجری میں غزوہ احزاب سے پہلے ہوا تھا یا سہ میں غزوہ احزاب کے بعد۔ اصل واقعہ کیا ہے، اس کی تحقیق اس لیے ضروری ہے کہ پردے کے احکام قرآن مجید کی دو ہی سورتوں میں آئے ہیں۔ ایک یہ سورت - دوسری سورہ احزاب جس کا نزول بالاتفاق غزوہ احزاب کے موقع پر ہوا ہے۔ اب غزوہ احزاب پہلے ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پردے کے احکام کی ابتدا ان ہدایات سے ہوئی جو سورہ احزاب میں وارد ہوئی ہیں، اور تکمیل ان احکام سے ہوئی جو اس سورت میں آئے ہیں۔ اور اگر غزوہ بنی المصطلق پہلے ہو تو احکام کی ترتیب الٹ جاتی ہے اور آغاز سورہ نور سے مان کر تکمیل سورہ احزاب والے احکام پر مانی پڑتی ہے۔ اس طرح اس حکمت تشریح کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے جو احکام حجاب میں پائی جاتی ہے۔ اسی غرض کے لیے ہم آگے بڑھنے سے پہلے زمانہ نزول کی تحقیق کر لینا ضروری سمجھتے ہیں۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ غزوہ بنی المصطلق شعبان شہد مجری میں پیش آیا اور پھر ذی القعدہ شہد میں غزوہ احزاب (غزوہ خندق) واقع ہوا۔ اس کی تائید میں سب سے بڑی شہادت یہ ہے

کہ واقعہ انک کے سلسلے میں حضرت عائشہؓ سے جو روایات مروی ہیں ان میں سے بعض میں حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کے جھگڑے کا ذکر آتا ہے، اور تمام معتبر روایات کی رو سے حضرت سعد بن معاذ کا انتقال غزوہ بنی قریظہ میں ہوا تھا، اور وہ غزوہ احزاب کے بعد متصلاً پیش آیا تھا۔ اس لیے سہ میں ان کے موجود ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

دوسری طرف محمد بن اسحاق کا بیان یہ ہے کہ غزوہ احزاب شوال ۳۳ھ کا واقعہ ہے اور غزوہ بنی المصطلق شعبان ۳۳ھ کا۔ اس کی تائید وہ کثیر التعداد معتبر روایات کرتی ہیں جو اس سلسلے میں حضرت عائشہؓ اور دوسرے لوگوں سے مروی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ انک سے پہلے کامِ حجاب نازل ہو چکے تھے اور سورہ احزاب میں پائے جاتے ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت زینبؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہو چکا تھا، اور وہ غزوہ احزاب کے بعد ذی القعدہ ۳۳ھ کا واقعہ ہے اور سورہ احزاب میں اس کا بھی ذکر آتا ہے۔ علاوہ بریں ان روایات یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینبؓ کی بہن خنہ بنت جحش نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے میں محض اس وجہ سے حصہ لیا تھا کہ حضرت عائشہؓ ان کی بہن کی سوکن تھیں، اور ظاہر ہے کہ بہن کی سوکن کے خلاف اس طرح کے جذبات پیدا ہونے کے لیے سوکنا پے کا رشتہ شروع ہونے کے بعد کچھ نہ کچھ مدت دیکار ہوتی ہے۔ یہ سب شہادتیں ابن اسحاق کی روایت کو مضبوط کر دیتی ہیں۔

اس روایت کو قبول کرنے میں صرف یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ واقعہ انک کے زمانے میں حضرت

سعد بن معاذ کی موجودگی کا ذکر آیا ہے۔ مگر اس مشکل کو جو چیز رفع کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس

واقعہ کے متعلق حضرت عائشہؓ سے جو روایات مروی ہیں ان میں سے بعض میں حضرت سعد بن معاذ کا ذکر ہے اور بعض میں ان کے بجائے حضرت انس بن حنظلہ کا۔ اور یہ دوسری روایت ان دوسرے

واقعات کے ساتھ پوری طرح مطابق ہو جاتی ہے جو اس سلسلے میں خود حضرت عائشہؓ ہی سے مروی

ہیں۔ ورنہ محض سعد بن معاذ کے زمانہ حیات سے مطابق کرنے کی خاطر اگر غزوہ بنی المصطلق اور

قعدہ انک کو غزوہ احزاب و قریظہ سے پہلے کے واقعات مان لیا جائے تو اس پیچیدگی کا کوئی

حل نہیں ملتا کہ پھر آیت حجاب کا نزول اور نکاح زینب کا واقعہ اُس سے بھی پہلے پیش آنا چاہیے، حالانکہ قرآن اور کثیر التعداد روایات صحیحہ، دونوں ہی پر شاہد ہیں کہ نکاح زینب اور حکم حجاب احزاب و قرظہ کے بعد کے واقعات ہیں۔ اسی بنا پر ابن حزم اور ابن قیم اور بعض دوسرے محققین نے محمد بن اسحاق کی رعایت ہی کو صحیح قرار دیا ہے، اور ہم بھی اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔

تاریخی پس منظر | اب یہ تحقیق ہو جانے کے بعد کہ سورہ نور سورہ مجری کے نصف آخر میں سورہ احزاب کے کئی جہینے بعد نازل ہوئی ہے، ہمیں اُن حالات پر ایک نگاہ ڈال لینا چاہیے جن میں اس کا نزول ہوا۔ جنگ، بد کی فتح سے عرب میں تحریک اسلامی کا جو عروج شروع ہوا تھا وہ غزوہ خندق تک پہنچتے پہنچتے اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ مشرکین، یہود، منافقین اور منہر تبیین، سب ہی یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ اس ذخیرہ طاقت کو محض ہتھیاروں اور فوجوں کے بل پر شکست نہیں دی جا سکتی جنگ خندق میں یہ لوگ متحد ہو کر ۱۰ ہزار فوج کے ساتھ مدینے پر چڑھ آئے تھے، مگر ایک جہینے تک سر مارنے کے بعد آخر کار نا کام ہوا کر چلے گئے، اور ان کے جاتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؑ اعلان فرمایا۔

لَنْ تَغْزَوْكُمْ قَسْرًا بَعْدَ عَاثِمِ بْنِ جَدَلٍ، وَلَكِنْ تَغْزَوْكُمْ (ابن شہام، جلد ۲، ص ۱۲۷)

”اس سال کے بعد اب قریش تم پر چڑھائی نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر چڑھائی کر دو گے۔“

یہ گویا اس امر کا اعلان تھا کہ نالیف اسلام طاقتوں کی قوت، اقدام ختم ہو چکی ہے، اب اسلام بچاؤ کی نہیں بلکہ اقدام کی لڑائی لڑے گا اور کفر کو اقدام کے بجائے بچاؤ کی لڑائی لڑنی پڑے گی۔ یہ حالات کا بالکل صحیح جائزہ تھا جسے دوسرا فرقہ بھی اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔

اسلام کے اس بعد افراد عروج کی اصل وجہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ بدر سے خندق تک ہر لڑائی میں کفار ان سے کئی گنا زیادہ قوت لے کر آئے تھے، اور مردم شماری کے لحاظ سے یہ بھی مسلمان اس وقت تک عرب میں بشکل ۱۰ فیصد ہی تھے۔ اس عروج کی وجہ مسلمانوں کے اسلام کی بڑی ہی اعتبار نہ تھی۔ ہر طرح کے ساز و سامان میں کفار ہی کا پلہ جاری تھا۔ معاشی طاقت اور اثر و رسوخ کے اعتبار سے بھی مسلمانوں کا ان سے کوئی تقابلی نہ تھا۔ ان کے پاس تمام عرب کے معاشی وسائل تھے، اور مسلمان

بھوکوں مر رہے تھے۔ اُن کی پشت پر تمام عرب کے مشرک اور اہل کتاب قبائل تھے، اور مسلمان ایک نئے دین کی دعوت دے کر قدیم نظام کے سارے حامیوں کی ہمدردیاں کھینچ چکے تھے۔ ان حالات میں جو چیز مسلمانوں کو برابر آگے بڑھانے کے لیے جارہی تھی، وہ دراصل مسلمانوں کی اخلاقی برتری تھی جسے تمام دشمنانِ اسلام خود بھی محسوس کر رہے تھے۔ ایک طرف وہ دیکھتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی بے داغ سیرتیں ہیں جن کی طہارت و پاکیزگی اور مضبوطی دلوں کو مسح کرتی چلی جارہی ہے اور دوسری طرف انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ انفرادی و اجتماعی اخلاق کی طہارت۔ نئے مسلمانوں کے اندر کمال درجے کا اتحاد اور نظم و ضبط بھی پایا کر دیا ہے جس کے سامنے مشرکین اور یہود کا ڈھیلانظام عجزِ امن اور جنگ دونوں حالتوں میں شکست کھانا چلا جاتا ہے۔

کمینہ خصلت لوگوں کا خاصہ ہوتا ہے کہ جب وہ دوسرے کی خوبیاں اور اپنی کمزوریاں صریح طور پر دیکھ لیتے ہیں، اور یہ بھی جان لیتے ہیں کہ اُس کی خوبیاں اُسے بڑھارہی ہیں اور ان کی اپنی کمزوریاں انہیں گرا رہی ہیں، تو انہیں یہ فکر لاحق نہیں ہوتی کہ اپنی کمزوریاں دور کریں اور اس کی خوبیاں اخذ کریں بلکہ وہ اس فکر میں لگ جاتے ہیں کہ جس طرح بھی ہو سکے اُس کے اندر بھی اپنے ہی جیسی برائیاں پیدا کر دیں۔ اور یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس کے اوپر خوب گندگی اچھالیں تاکہ دنیا کو اس کی خوبیاں بے داغ نظر نہ آئیں۔ یہی ذہنیت تھی جس نے اس مرحلے پر دشمنانِ اسلام کی سرگرمیوں کا رُخ جنگی کارروائیوں سے ہٹا کر ردِ بلائے جہاں اور داخلِ نندہ انگیزیوں کی طرف پھیر دیا۔ اور چونکہ یہ خدمتِ باہر کے دشمنوں کی بہ نسبت خود مسلمانوں کے اندر کے منافقین زیادہ اچھی طرح انجام دے سکتے تھے، اس لیے بالارادہ یا بلا ارادہ طریقِ کاریہ قرار پایا کہ مدینہ کے منافقین اندر سے فتنے اٹھائیں اور یہود و مشرکین باہر سے ان کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

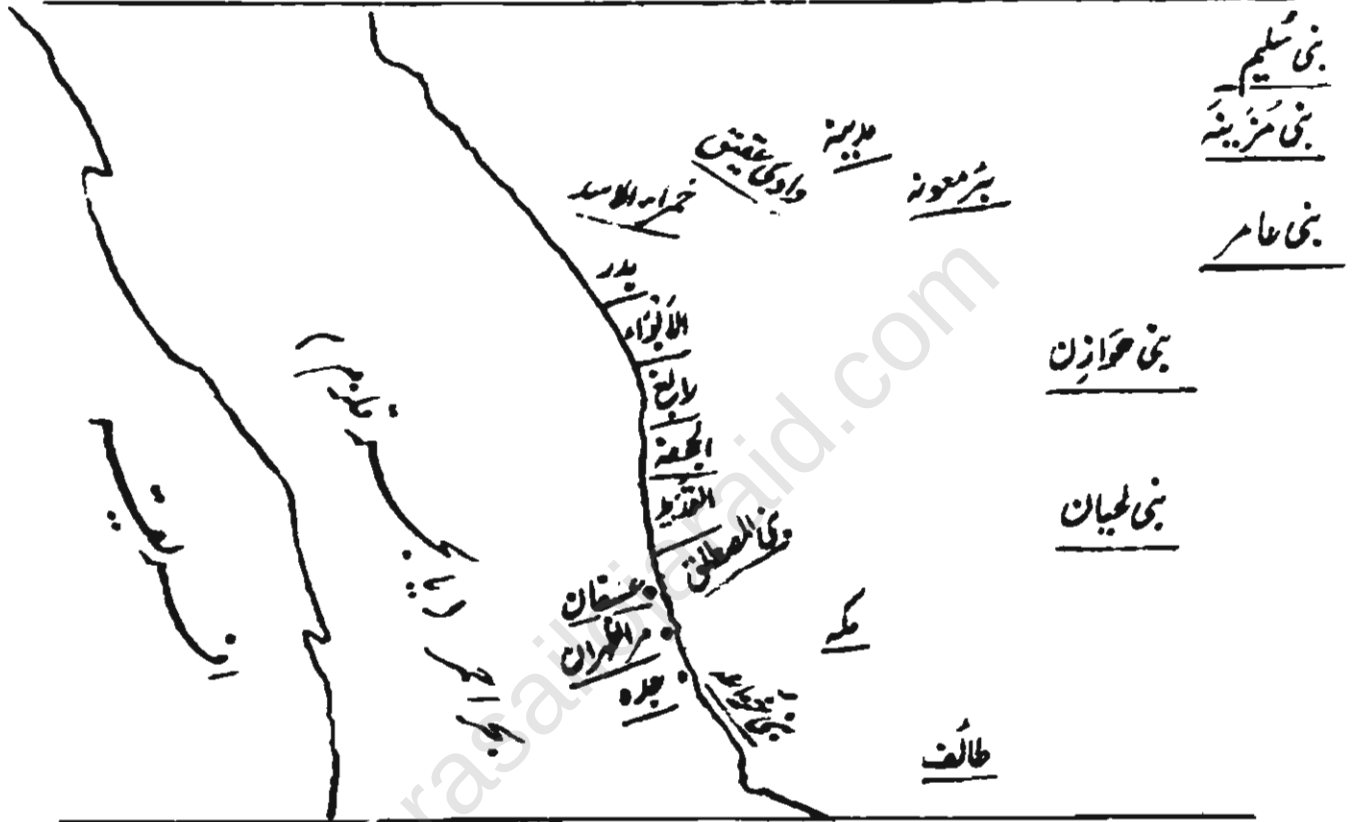
اس نئی تدبیر کا پہلا طورِ ردی القعدہ ۳ھ میں ہوا جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب سے یمنیت کی جہلانہ رسم کا خاتمہ کرنے کے لیے خود اپنے متبئی (زیڈین حارثہ) کی مطلقہ بیوی (زینب بنت جحش) سے

۱۔ دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانا اور خاندان میں اسے بالکل صلیبی بیٹے کی سی حیثیت دے دینا۔

سے نکاح کیا۔ اس موقع پر مدینے کے منافقین پر دہکنا کا ایک طوفانِ عظیم لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور باہر سے یہود و مشرکین نے بھی ان کی آوازیں آواز ملا کر افترا پردازیاں شروع کر دیں۔ انھوں نے عجیب عجیب نکتے گھڑ گھڑ کر پھیلا دئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئے، اور کس طرح بیٹے کو ان کے عشق کا علم ہوا اور وہ طلاق دے کر بیوی سے دست بردار ہو گیا، اور پھر کس طرح انھوں نے خود اپنی بہو سے بیاہ کر لیا۔ یہ قصے اس کثرت سے پھیلائے گئے کہ مسلمان تک ان کے اثرات سے نہ بچ سکے، چنانچہ محدثین اور مفسرین کے ایک گروہ نے حضرت زینب اور زید کے متعلق جو روایتیں نقل کی ہیں ان میں آج تک ان من گھڑت قصوں کے اجراء پر پائے جاتے ہیں اور منتشر تین مغرب ان کو خوب ناک مرعہ لگا کر اپنی کتابوں میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرت زینب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی بیوی تھیں (امیمہ بنت عبدالمطلب) کی صاحبزادی تھیں، بچپن سے جوانی تک ان کی ساری عمر حضور کی آنکھوں کے سامنے گزری تھی، ان کو اتفاقاً ایک روز دیکھ لینے اور معاذ اللہ ان پر عاشق ہو جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پھر اس واقعہ سے ایک ہی سال پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو مجبور کر کے حضرت زید سے ان کی شادی کی تھی۔ ان کے بھائی عبد اللہ بن جحش اس شادی سے ناراض تھے۔ خود حضرت زینب اس پر راضی نہ تھیں، کیونکہ ایک آزاد کردہ غلام کی بیوی بننا قریش کے شریف ترین گھرانے کی بیٹی طبعاً قبول نہ کر سکتی تھی۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس لیے کہ مسلمانوں میں معاشرتی مساوات قائم کرنے کی ابتدا خود اپنے خاندان سے کریں، انہیں حکماً اس پر راضی کیا تھا۔ یہ ساری باتیں دوست اور دشمن سب کو معلوم تھیں، اور یہ بھی کسی سے چھپا ہوا نہ تھا کہ حضرت زینب کا احساسِ غزنسی ہی وہ اصل وجہ تھی جس کی بنا پر ان کا اور زید بن حارثہ کا نباہ نہ ہو سکا اور آخر کار طلاق تک نسبت پہنچی مگر اس کے باوجود بے شرم افترا پردازوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بدترین اخلاقی الزامات لگائے اور ان کو اس کثرت سے رواج دیا کہ آج تک ان کا یہ پردہ گینڈا اپنا رنگ دکھا رہا ہے۔

اس کے بعد دوسرا حملہ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر کیا گیا، اور یہ پہلے سے بھی زیادہ سخت تھا۔

بنی المصطلق قبیلہ بنی خزاعہ کی ایک شاخ تھی جو ساحل بحر احمر پر جدے اور رابح کے درمیان قدید کے علاقے میں رہتی تھی۔ اُس کے چٹے کا نام مزیہ تھا جس کے آس پاس اس قبیلے کے لوگ آباد تھے۔ اس مناسبت سے احادیث میں اس مہم کا نام غزوہ مزیہ بھی آیا ہے۔ نقشے سے اس کی صحیح جائے وقوع معلوم ہو سکتی ہے۔



شعبان ۶ء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں اور دوسرے قبائل کو بھی جمع کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ اطلاع پاتے ہی آپ ایک لشکر لے کر ان کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ فتنے کے سر اٹھانے سے پہلے ہی اسے کچل دیا جائے۔ اس مہم میں عبداللہ بن ابی بھی منافقوں کی ایک بڑی تعداد لے کر آپ کے ساتھ ہو گیا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ اس پہلے کسی جنگ میں منافقین اس کثرت سے شامل نہ ہوئے تھے۔ مزیہ کے مقام پر آنحضرت نے چانک دشمن کو جالیا، اور تھوڑی سی زد و خورد کے بعد پورے قبیلے کو مال اسباب ہیمت گرفتار کر لیا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر ابھی مزیہ ہی پر لشکر اسلام پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ ایک روز حضرت عمر کے ایک ملازم (جنجاد بن مسعود غفاری) اور قبیلہ خزرج کے ایک حلیف (سنان بن ویرجہنی) کے درمیان پانی پر جھگڑا

ہو گیا۔ ایک نے انصار کو پکارا۔ دوسرے نے مہاجرین کو آواز دی۔ لوگ دونوں طرف سے جمع ہو گئے اور معاملہ رفع دفع کر دیا گیا۔ لیکن عبداللہ بن ابی نے، جو انصار کے قبیہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا، بات کا ہنگڑا بنا دیا۔ اُس نے انصار کو یہ کہہ کر بھڑکانا شروع کیا کہ یہ مہاجرین ہم پر ٹوٹ پڑے ہیں اور ہمارے حریف بن بیٹھے ہیں۔ ہماری اور ان قریشی کنگلوں کی مثال ایسی ہے کہ کتے کو پالنا کہ تجھی کو مچھوڑ کھائے۔ یہ سب کچھ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ تم لوگوں نے خود ہی انہیں لا کر اپنے ہاں بسایا ہے اور ان کو اپنے مال و جائیداد میں حصہ دار بنایا ہے۔ آج اگر تم ان سے ہاتھ کھینچ لو تو یہ چلتے پھرتے نظر آئیں۔ پھر اس نے قسم کھا کر کہا کہ مدینے واپس پہنچنے کے بعد جو ہم میں سے عزت والا ہے وہ ذلیل لوگوں کو نکال باہر کر دے گا۔ اُس کی ان باتوں کی اطلاع جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ اس شخص کو قتل کر دینا چاہیے۔ مگر حضورؐ نے فرمایا تکلیف یا عمر! اذا قتل الناس ان محمد! یقتل اصحابہ (عمر، دنیا کیا کہے گی کہ محمدؐ خود اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے) پھر آپؐ نے فوراً ہی اس مقام سے کوچ کا حکم دے دیا اور دوسرے دن دوپہر تک کسی جگہ پڑاؤ نہ کیا، تاکہ لوگ خوب تھک جائیں اور کسی کو بیٹھ کر یہ میگوئیاں کرنے اور سننے کی مہلت نہ ملے۔ راستے میں انس بن حنفیہؓ نے عرض کیا یا نبی اللہ! آج آپؐ اپنے معمول کے خلاف نادقت کوچ کا حکم دے دیا ہے آپؐ نے جواب دیا: تمہارے سنا نہیں کہ تمہارے صاحب نے کیا باتیں کی ہیں؟ انہوں نے پوچھا: کون صاحب؟ آپؐ نے فرمایا: عبداللہ بن ابی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس شخص سے رعایت فرمائیے، آپؐ جب مدینے تشریف لائے ہیں تو ہم لوگ اسے اپنا بادشاہ بنا کر فیصلہ کر چکے تھے اور اس کے لیے تاج تیار ہو رہا تھا۔ آپؐ کی آمد سے اس کا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ یہی کی جن کو وہ نکال رہا ہے؟

یہ خوشہ ابھی تازہ ہی تھا کہ اسی سفر میں اُس نے ایک اور خطرناک فتنہ اٹھا دیا، اور فتنہ بھی ایسا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جہاں نثار صحابہ کمال درجہ ضبط و تحمل اور حکمت و دانائی سے کام نہ لیتے تو

۱۔ سورہ منافقون میں اللہ تعالیٰ نے خود اس کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔

مدینے کی نوخیز مسلم سوسائٹی میں سخت خانہ جنگی برپا ہو جاتی۔ یہ حضرت عائشہؓ پر تہمت کا فتنہ تھا اس کا واقعہ خود انہی کی زبان سے سنیے جس سے پوری صورتِ حال سامنے آجائے گی۔ بیچ بیچ میں جو امور تشریح طلب ہوں گے انہیں ہم دوسری معتبر روایات کی مدد سے قوسین میں بڑھاتے جائیں گے تاکہ جنابِ صدیقہ کے تسلسلِ بیان میں خلل نہ واقع ہو۔ فرماتی ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب آپ سفر پر جانے لگتے تو قرعہ ڈال کر فیصلہ فرماتے کہ آپ کی بیویوں میں سے کون آپ کے ساتھ جائے۔ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر قرعہ میرے نام نکلا اور میں آپ کے ساتھ گئی۔ دہلی پر جب ہم مدینے کے قریب تھے، ایک منزل پر رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ کیا، اور اسی رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ کوئچ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ میں اٹھ کر رُفح حاجت کے لیے گئی، اور جب پلٹنے لگی تو قیام گاہ کے قریب پہنچ کر مجھے محسوس ہوا کہ میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا ہے۔ میں اسے تلاش کرنے میں لگ گئی، اور اتنے میں قافلہ روانہ ہو گیا۔ قافلہ یہ تھا کہ میں کوئچ کے وقت اپنے ہودے میں بیٹھ جاتی تھی اور چار آدمی اسے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔ ہم عورتیں اس زمانے میں غذا کی کمی کے سبب سے بہت ہلکی پھلکی تھیں۔ میرا ہودہ اٹھاتے وقت لوگوں کو یہ محسوس ہی نہ ہوا کہ میں اس میں نہیں ہوں۔ وہ بے خبری میں خالی ہودہ اونٹ پر رکھ کر روانہ ہو گئے۔ میں جب ہار لے کر پٹی تو وہاں کوئی نہ تھا۔ آخر اپنی چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئی اور دل میں سوچ لیا کہ آگے جا کر جب یہ لوگ مجھے نہ پائیں گے تو خود ہی ڈھونڈتے ہوئے آجائیں گے۔ اسی حالت میں مجھ کو

اس قرعہ اندازی کی نوعیت لاٹری کی سی نہ تھی۔ دراصل تمام بیویوں کے حقوق برابر کے تھے۔ ان میں سے کسی کو کسی پر ترجیح دینے کی کوئی معقول وجہ نہ تھی۔ اب اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی کو انتخاب کرتے تو دوسری بیویوں کی دل شکنی ہوتی اور ان میں باہم رشک و رقابت پیدا ہونے کے لیے بھی یہ ایک محرک بن جاتا۔ اس لیے آپ قرعہ اندازی سے اس کا فیصلہ فرماتے تھے۔ شریعت میں قرعہ اندازی ایسی ہی صورتوں کے لیے ہے جب کہ چند آدمیوں کا جائز حق بالکل برابر ہو، اور کسی کو کسی پر ترجیح دینے کے لیے کوئی معقول وجہ موجود نہ ہو، مگر حق کسی ایک ہی کو دیا جاسکتا ہو۔

نیند آگئی۔ دن چڑھنے پر صفوان بن معطل سلمیٰ اس جگہ سے گزرا جہاں میں سورہی تھی اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گیا، کیونکہ پردے کا حکم آنے سے پہلے وہ مجھے بارہا دیکھ چکا تھا (یہ صاحب بدی صحابیوں میں سے تھے۔ ان کو دن چڑھے تک سونے کی عادت تھی، اس لیے یہ بھی لشکرگاہ میں کہیں پڑے سوتے رہ گئے تھے اور اب اٹھ کر مدینے جا رہے تھے) مجھے دیکھ کر اس نے اونٹ روک لیا اور بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا "إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں رہ گئیں۔ اس کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اٹھ کر فوراً اپنے منہ پر چادر ڈال لی۔ اس نے مجھ سے کوئی بات نہ کی، لا کر اپنا اونٹ میرے پاس بٹھادیا اور الگ ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ میں اونٹ پر سوار ہو گئی اور وہ نکیل پکڑ کر روانہ ہو گیا۔ دوپہر کے قریب ہم نے لشکر کو جالیا جب کہ وہ ابھی ایک جگہ جا کر ٹھہرا ہی تھا اور لشکر والوں کو ابھی یہ پتہ نہ چلا تھا کہ میں پیچھے چھوٹ گئی ہوں۔ اس پر بہتان اٹھانے والوں نے بہتان اٹھا دیئے اور ان میں سے ایک پیش پیش عبداللہ بن ابی تھا۔ مگر میں اس سے بے خبر تھی کہ مجھ پر کیا باتیں بن رہی ہیں۔

(دوسری روایات میں آیا ہے کہ جس وقت صفوان کے اونٹ پر حضرت عائشہ لشکرگاہ میں پہنچیں اور معلوم ہوا کہ آپ اس طرح پیچھے چھوٹ گئی تھیں اسی وقت عبداللہ بن ابی پکار اٹھا کہ "خدا کی قسم یہ بچ کر نہیں آئی ہے، لو دیکھو، تمہارے نبی کی بیوی نے رات ایک اور شخص کے ساتھ گزاری اور اب وہ اسے علانیہ لیے چلا آ رہا ہے")

مدینے پہنچ کر میں بیمار ہو گئی اور ایک مہینے کے قریب پتنگ پر پڑی رہی۔ شہر میں اس بہتان کی خبریں اڑ رہی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک بھی بات پہنچ چکی تھی، مگر مجھے کچھ پتہ نہ تھا۔ البتہ جو چیز مجھے کھٹکتی تھی وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ توجہ میری

سے الوداد اور دوسری کتب گھٹن میں یہ ذکر آتا ہے کہ ان کی بیوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شکایت کی تھی کہ یہ کبھی صبح کی نماز وقت پر نہیں پڑھتے۔ انھوں نے عذر پیش کیا کہ یا رسول اللہ یہ میرا خاندانی عیب ہے، دین تک سوتے رہنے کی اس کمزوری کو میں کسی طرح دور نہیں کر سکتا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اچھا جب آنکھ کھلے نماز ادا کر لیا کرو۔

طاف نہ تھو جو بیماری کے زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ آپ گھر میں آتے تو بس یہ پوچھ کر رہ جاتے کہ کیف تیکم (کیسی ہو؟) اس سے زائد کوئی کلام نہ کرتے۔ اس سے مجھے شبہ ہوتا کہ کوئی بات ہے ضرور۔ آخر آپ کے اعزازت سے کہ میں اپنی ماں کے گھر چلی گئی تاکہ وہ میری تیمارداری اچھی طرح کر سکیں۔ ایک روز رات کے وقت حاجت کے لیے میں مدینے کے باہر گئی۔ اُس وقت تک ہمارے گھروں میں یہ بیت الخلاء نہ تھے اور ہم لوگ جنگل ہی جایا کرتے تھے۔ میرے ساتھ مسطح بن اثاثہ کی ماں بھی تھیں جو میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں (دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے خاندان کی کفالت حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے ذمے لے رکھی تھی، مگر اس احسان کے باوجود مسطح بھی ان لوگوں میں شریک ہو گئے تھے جو حضرت عائشہ کے خلاف اس بہتان کو پھیلانے کے لیے راستے میں ان کو ٹھوکر لگی اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا غارت جو مسطح نے کہا اچھی ماں ہو جو بیٹے کو کہتی ہو، اور بیٹیا بھی وہ جس نے جنگ بدر میں حصہ لیا ہے۔ انھوں نے کہا ”بیٹا، کیا تجھے اُس کی باتوں کی کچھ خبر نہیں؟ پھر انھوں نے سارا قصہ سنایا کہ افترا پرداز لوگ میرے متعلق کیا باتیں اٹا رہے ہیں (منافقین کے سوا خود مسلمانوں میں سے جو لوگ اس فتنے میں شامل ہو گئے تھے ان میں مسطح، حُستان بن ثابت مشہور شاعرِ سلام، اور حُمنہ بنت جحش، حضرت زینبؓ کی بہن کا حصہ سب سے نمایاں تھا)۔ یہ داستان سن کر میرا خون خشک ہو گیا، وہ حاجت بھی بھول گئی جس کے لیے آئی تھی، سیدھی گھر گئی اور رات بھر رو رو کر کاٹی۔“

آگے چل کر حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ”میرے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ اور اُسامہ بن زید کو بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ اُسامہ نے میرے حق میں کلمہ خیر کہا اور عرض کیا ”یا رسول اللہ، بھلائی کے سوا آپ کی بیوی میں کوئی چیز ہم نے نہیں پائی۔ یہ سب کچھ کذب اور باطل ہے جو اڑایا جا رہا ہے۔“ رہے علیؓ تو انھوں نے کہا ”یا رسول اللہ عورتوں کی کمی نہیں ہے، آپ اُس کی جگہ دوسری بیوی کر سکتے ہیں، اور تحقیق کرنا چاہیں تو خدمت گار لونڈی کو بلا کر حالات دریافت فرمائیں۔“ چنانچہ خدمت گار کو بلایا گیا اور پوچھ گچھ کی گئی۔ اس نے کہا ”اس خدا کی

قیم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے اُن میں کوئی برائی نہیں دیکھی جس پر حرف رکھا جائے۔ بس اتنا عیب ہے کہ میں اُٹا گوندھ کر کسی کام کو جاتی ہوں اور کہہ جاتی ہوں کہ بیوی ذرا آگے کا خیال رکھنا، مگر وہ سو جاتی ہیں اور بیکری اُکڑاٹا کھا جاتی ہے۔ اکی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا: ”مسلمانو! کون ہے جو اس شخص کے حملوں سے میری عزت بچائے جس نے میرے گھر والوں پر الزامات لگا کر مجھے اذیت پہنچانے کی حد کر دی ہے۔ بخدا میرے نہ تو اپنی بیوی ہی میں کوئی برائی دیکھی ہے، اور نہ اس شخص میں جس کے متعلق تمت، لگائی جاتی ہے۔ وہ تو کبھی میری غیر موجودگی میں میرے گھر آیا بھی نہیں۔“ اس پر اُمید بن حنظلہ (رضی اللہ عنہ) روایات میں سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) نے اٹھ کر کہا: ”یا رسول اللہ، اگر وہ ہمارے قبیلے کا آدمی ہے تو ہم اس کی گردن مار دیں، اور اگر ہمارے بھائی خُزَرجیوں میں سے ہے تو آپ حکم دیں۔ ہم تعمیل کے لیے حاضر ہیں۔“ یہ سنتے ہی سعد بن عبادہ، رئیس خُزَرج اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ”جھوٹ کہتے ہو، تم ہرگز اسے نہیں مار سکتے۔ تم اس کی گردن مارنے کا نام صرف اس لیے لے رہے ہو کہ وہ خُزَرج میں سے ہے۔ اگر وہ تمہارے قبیلے کا آدمی ہوتا تو تم کبھی یہ نہ کہتے کہ ہم اس کی گردن مار دیں گے۔“ اُمید بن حنظلہ نے جواب میں کہا: ”تم منافق ہو اسی لیے

لے غالباً اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے نام لینے کے بجائے سیدائوں کے الفاظ استعمال فرمائے ہوں کسی راوی نے اس سے مراد حضرت معاذ کو کُتُب لیا، کیونکہ اپنی زندگی میں وہی قبیلہ اوس کے سردار تھے اور تاریخ میں وہی اس حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ حالانکہ واصل اس واقعہ کے وقت ان کے چچا زاد بھائی اُمید بن حنظلہ کے ہوتے تھے حضرت سعد بن عبادہ اگرچہ نہایت صالح اور مخلص مسلمانوں میں سے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت و محبت رکھتے تھے، اور مدینے میں جن لوگوں کے ذریعہ سے اسلام پھیلا تھا ان میں ایک نمایاں شخص وہ بھی تھے لیکن ان سب خوبیوں کے باوجود ان کے اندر قومی تمیز (اور عرب میں اس وقت قوم کے معنی قبیلے کے تھے) بہت زیادہ تھی اسی وجہ سے وہ اکثر عبد اللہ بن ابی کی پشت پناہی کرتے رہے جو ان کے قبیلے کا آدمی تھا۔ اسی وجہ سے فتح مکہ کے موقع پر ان کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا کہ الیوم یومہ المہاجرہ، الیوم تمہن اعرامہ (آج کشت و خون کا دن ہے۔) (باقی مآخذ اگلے صفحہ پر)

منافقوں کی حمایت کرتے ہوئے اس پر مسجد نبوی میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تھے۔ قریب تھا کہ اوس اور خزرج مسجد ہی میں لڑ پڑتے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ٹھنڈا کیا اور پھر منبر سے اتر آئے۔

حضرت عائشہ کے قصے کی باقی تفصیلات ہم اثنائے تفسیر میں اس جگہ نقل کریں گے جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی برأت نازل ہوئی ہے۔ یہاں جو کچھ ہم بتانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی نے یہ ثوثنہ چھوڑ کر بیک وقت کئی شکار کرنے کی کوشش کی۔ ایک طرف اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق کی عزت پر حملہ کیا۔ دوسری طرف اس نے اسلامی تحریک کے بلند ترین اخلاقی وقار کو گرنے کی کوشش کی۔ تیسری طرف اس نے یہ ایک ایسی جنگاری پھینکی تھی کہ اسلام اپنے پیروں کی کایا نہ پلٹ چکا ہوتا تو مہاجرین اور انصار، اور خود انصار کے بھی دونوں قبیلے آپس میں ٹر رتے۔

موضوع اور مباحث | یہ تھے وہ حالات جن میں پہلے حملے کے موقع پر سورہ احزاب کے آخری ۶ رکوع نازل ہوئے اور دوسرے حملے کے موقع پر یہ سورہ نور اتری۔ اس پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر ان دونوں سورتوں کا ترتیب وار مطالعہ کیا جائے تو وہ حکمت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے جو ان کے احکام میں ضم ہے۔

منافقین مسلمانوں کو اس میدان میں شکست دینا چاہتے تھے جو ان کے تفوق کا اصل میدان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے، بجائے اس کے کہ وہ ان کے اخلاقی حملوں پر ایک غضبناک تقریر فرماتا، یا مسلمانوں کو جوانی حملے کرتے پرکھاتا، تمام توجہ مسلمانوں کو یہ گھمانے پر صرف فرمائی کہ تمہارے اخلاقی نماز میں

دقیقہ حاشیہ: آج یہاں کی حرمت، سلال کی جائے گی، اور اس پر عتاب فرما کر حضور نے ان سے لشکر کا جھنڈا واپس لے لیا۔ پھر آخر کار یہی وہ سبب تھا جس کی وجہ سے انہوں نے حضور کی وفات کے بعد سفیف بن ساعدہ میں یہ دعویٰ کیا کہ خلافت انصار کا حق ہے، اور جب ان کی بات نہ چلی اور انصار و مہاجرین نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو تنہا ہی ایک تھیں جنہوں نے بیعت سے انکار کر دیا اور مرتے دم تک قرشی خلیفہ کی ذلالت تسلیم نہ کی (ملاحظہ ہو الاصابہ لابن حجر والاستیعاب لابن عبد البر کو رسول بن عمار، و الامامة و السياسة لابن قتیبہ صفحہ ۱۰-۱۱)۔

جہاں جہاں رخنے موجود ہیں ان کو بھرو اور اس محاذ کو اور زیادہ مضبوط کر لو۔ ابھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ نکاح زینبؓ کے موقع پر منافقین اور کفار نے کیا طوفان اٹھایا تھا۔ اب ذرا سورہ احزاب نکال کر پڑھیے وہاں آپ دیکھیں گے کہ ٹھیک اسی طوفان کا زمانہ تھا جب کہ معاشرتی اصلاح کے متعلق حسب ذیل ہدایات دی گئیں :

(۱) ازدواج مطہرات کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو، بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ نکلو، اور غیر مردوں سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہو تو دبی زبان سے بات نہ کرو کہ کوئی شخص بے جا توقعات قائم کر لے (رکوع ۴)

(۲) حضور کے گھروں میں غیر مردوں کے بلا اجازت داخل ہو جانے کو روک دیا گیا، اور ہدایت کی گئی کہ ازدواج مطہرات سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

(۳) غیر محرم مردوں اور محرم رشتہ داروں کے درمیان فرق قائم کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ ازدواج مطہرات کے صرف محرم رشتہ دار ہی آنا دی کے ساتھ آپ کے گھروں میں آجاسکتے ہیں۔

(۴) مسلمانوں کو بتایا گیا کہ نبیؐ کی بیویاں تنہا ہی مائیں ہیں اور ٹھیک اسی طرح ایک مسلمان کے لیے ابدًا حرام ہیں جس طرح اس کی حقیقی ماں ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے بارے میں ہر مسلمان اپنی نیت کو بالکل پاک رکھے۔

(۵) مسلمانوں کو متنبہ کر دیا گیا کہ نبیؐ کو اذیت دینا دنیا اور آخرت میں خدا کی لعنت اور رسوا کن عذاب کا موجب ہے، اور اسی طرح کسی مسلمان کی عزت پر حملہ کرنا اور اس پر ناحق الزام لگانا بھی سخت گناہ ہے (رکوع ۷)

(۶) تمام مسلمان عورتوں کو حکم دے دیا گیا کہ جب باہر نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو چادروں سے اپنے آپ کو اچھی طرح ڈھانک کر اور گھونگھٹ ڈال کر نکلا کریں (رکوع ۸)

پھر جب واقعہ انک سے مدینے کے معاشرے میں ایک پھل برپا ہوئی تو یہ سورہ نور اخلاق، معاشرت اور قانون کے ایسے احکام و ہدایات کے ساتھ نازل فرمائی گئی جن کا مقصد یہ تھا کہ

اول تو مسلم معاشرے کو برائیوں کی پیداوار اور ان کے پھیلاؤ سے محفوظ رکھا جائے، اور اگر وہ پیدا ہو ہی جائیں تو پھر ان کا پورا پورا تدارک کیا جائے۔ ان احکام و ہدایات کو ہم اسی ترتیب کے ساتھ یہاں خلاصہ درج کرتے ہیں جس کے ساتھ وہ اس سورے میں نازل ہوئے ہیں تاکہ پڑھنے والے اندازہ کر سکیں کہ قرآن کھٹیک نسیاتی موقع پر انسانی زندگی کی اصلاح و تعمیر کے لیے کس طرح قانونی، اخلاقی، اور معاشرتی تدابیر بیک وقت تجویز کرتا ہے :

(۱) زنا، جسے فوجداری مجرم پہلے ہی قرار دیا جا چکا تھا (سورہ نساء، رکوع ۳)، اب اس کی سزا سو کوڑے مقرر کر دی گئی۔

(۲) بدکار مردوں اور عورتوں کے ساتھ رشتہ مناکحت جوڑنے سے اہل ایمان کو منع کر دیا گیا۔

(۳) جو شخص دوسرے پر زنا کا الزام لگائے اور پھر ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کر سکے، اس کے لیے ۸۰ کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی۔

(۴) شوہر اگر بیوی پر تہمت لگائے تو اس کے لیے لیعان کا قاعدہ مقرر کیا گیا۔

(۵) حضرت عائشہؓ پر منافقین کے جھوٹے الزام کی تردید کرتے ہوئے یہ ہدایت کی گئی کہ آنکھیں بند کر کے ہر شریف آدمی کے خلاف برہمن کی تہمتوں کو قبول نہ کر لیا کر دے، اور نہ ان کو پھیلاتے پھرو۔ اس طرح کی افواہیں اگر اڑ رہی ہوں تو انہیں دبانا اور ان کا سدباب کرنا چاہیے، نہ یہ کہ ایک منہ سے لے کر دوسرا منہ اسے آگے پھونکنا شروع کر دے۔ اسی سلسلے میں یہ بات ایک اصولی حقیقت کے طور پر سمجھائی گئی کہ طیب آدمی کا جوڑ طیب عورت ہی سے لگ سکتا ہے، خبیث عورت کے اطوار سے اس کا مزاج چند روز بھی موافقت نہیں کر سکتا۔ اور ایسا ہی حال طیب عورت کا بھی ہوتا ہے کہ اس کی روح طیب مرد ہی سے موافقت کر سکتی ہے نہ کہ خبیث سے۔ اب اگر رسولؐ کو تم جانتے ہو کہ وہ ایک طیب، بلکہ اطمینان انسان ہیں تو کس طرح یہ بات تمہاری عقل میں سما گئی کہ ایک خبیث عورت ان کی محبوب ترین رفیقہ حیات بن سکتی تھی۔ جو عورت عملاً زنا تک کر گزرے اس کے عام اطوار کب ایسے چمکتے ہیں کہ رسولؐ جیسا پاکیزہ انسان اس کے ساتھ یوں نباہ کرے۔ پس صرف یہ بات کہ ایک کمینہ آدمی

ایک یہودہ الزام کسی پر لگا دیا ہے ، اسے قابل قبول کیا معنی قابل توجہ اور ممکن الوقوع سمجھ لینے کے لیے بھی کافی نہیں ہے۔ آنکھیں کھول کر دیکھو کہ الزام لگانے والا کون ہے اور الزام لگا کس پر رہا ہے۔

(۶) جو لوگ یہودہ خبریں اور بری افواہیں پھیلاتے اور مسلم معاشرے میں فحش اور فواحش کو رواج دینے کی کوشش کریں ان کے متعلق بتایا گیا کہ وہ بہت افزائی کے نہیں بلکہ سزا کے مستحق ہیں۔

(۷) یہ فائدہ کلیہ مقرر کیا گیا کہ مسلم معاشرے میں اجتماعی تعلقات کی بنیاد باہمی حسن ظن پر ہونی چاہیے۔ ہر شخص بے گناہ سمجھا جائے جب تک کہ اس کے گناہ گار ہونے کا کوئی ثبوت نہ ملے۔ نہ یہ کہ ہر شخص گناہ گار سمجھا جائے جب تک کہ اس کا بے گناہ ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

(۸) لوگوں کو حام ہدایت کی گئی کہ ایک دوسرے کے گھروں میں بے تکلف نہ گھس جایا کریں بلکہ اجازت لے کر جائیں۔

(۹) عورتوں اور مردوں کو غضب بصر کا حکم دیا گیا اور ایک دوسرے کو گھورنے یا جھانکنا منع کرنے سے منع کر دیا گیا۔

(۱۰) عورتوں کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں میں سر و سیتہ کو ڈھانک کر رکھیں۔

(۱۱) عورتوں کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ اپنے محرم رشتہ داروں اور گھر کے خادموں کے سوا کسی کے سامنے بن ستر نہ آئیں۔

(۱۲) ان کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ باہر نکلیں تو نہ صرف یہ کہ اپنے نیاؤں کو چھپا کر نکلیں ، بلکہ نبھنے والے زیور بھی پہن نہ نکلیں۔

(۱۳) معاشرے میں عورتوں اور مردوں کے بن بیاہے بیٹھے رہنے کا طریقہ ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ غیر شادی شدہ لوگوں کے نکاح کیے جائیں ، حتیٰ کہ لونڈیوں اور غلاموں کو بھی بن بیاہا نہ رہتے دیا جائے۔ اس لیے کہ تجربہ فحش آفریں بھی ہوتا ہے اور فحش پذیر بھی۔ مجرد لوگ اور کچھ نہیں تو بری خبریں سننے اور پھیلانے ہی میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔

(۱۴) لونڈیوں اور غلاموں کی آزادی کے لیے محکمات کی راہ نکال دی گئی ، اور مالکوں کے علاوہ دوسروں کو بھی

حکم دیا گیا کہ مکاتب غلاموں اور لونڈیوں کی مالی مدد کریں۔

(۱۵) لونڈیوں سے کسب کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ عرب میں یہ پیشہ لونڈیوں ہی سے کرانے کا رواج تھا، اس لیے اس کی ممانعت دراصل قبحہ گری کی قانونی بندش تھی۔

(۱۶) گھریلو معاشرت میں خانگی ملازموں اور نابالغ بچوں کے لیے یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ وہ خلوت کے اوقات میں (یعنی صبح، دوپہر اور رات کے وقت) گھر کے کسی مرد یا عورت کے کمرے میں اچانک نہ گھس جایا کریں۔ اولاد تک کو اجازت لے کر آنے کی عادت ڈال جائے۔

(۱۷) بوڑھی عورتوں کو یہ رعایت دی گئی کہ اگر وہ اپنے گھر میں سر سے اوڑھنی اتار کر رکھ دیں تو مضائقہ نہیں، مگر حکم دیا گیا کہ تَبْرُج (بن عُن کر اپنے آپ کو دکھانے) سے بچیں۔ نیز انھیں نصیحت کی گئی کہ بڑھاپے میں بھی اگر وہ اوڑھنیاں اپنے اوپر ڈالے ہی رہیں تو بہتر ہے۔

(۱۸) اندھے، لنگڑے، ٹوٹے، اور بیمار کو یہ رعایت دی گئی کہ وہ کھانے کی کوئی چیز کسی کے ہاں سے بلا اجازت کھالے تو اس کا شمار چوری اور خیانت میں نہ ہوگا۔ اُس پر کوئی گرفت نہ کی جائے۔

(۱۹) قریبی عزیزوں اور بے تکلف دوستوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے ہاں بلا اجازت بھی کھا سکتے ہیں، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ اپنے گھر میں کھا سکتے ہیں۔ اس طرح معاشرے کے افراد کو ایک دوسرے سے قریب تر کر دیا گیا اور ان کے درمیان سے بیگانگی کے پردے ہٹا دیے گئے تاکہ آپس کی محبت بڑھے اور باہمی اخلاص کے رابطے ان رخنوں کو بند کر دیں جن سے کوئی فتنہ پرداز چھوٹ ڈال سکتا ہو۔

ان ہدایات کے ساتھ ساتھ منافقین اور مومنین کی وہ کھلی کھلی علامتیں بیان کر دی گئیں جن سے ہر مسلمان یہ جان سکے کہ معاشرے میں مخلص اہل ایمان کون لوگ ہیں اور منافق کون۔ دوسری طرف مسلمانوں کے جھٹی نظم و ضبط کو اور کس دیا گیا اور اس کے لیے چند مزید ضابطے بنا دیے گئے تاکہ وہ طاقت اور زیادہ مضبوط ہو جائے جس سے غیظ کھا کر کفار و منافقین فساد انگیزیاں کر رہے تھے۔

اس تمام بحث میں غایاں چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ پوری سورہ نور اس تلخی سے خالی ہے جو شرناک

اور یہودہ حلوں کے جواب میں پیدا ہوا کرتی ہے۔ ایک طرف ان حالات کو دیکھیے جن میں یہ سورت نازل ہوئی ہے۔ اور دوسری طرف سورت کے مضامین اور انداز کلام کو دیکھیے۔ اس قدر اشتعال انگیز صورت حال میں کیسے ٹھنڈے طریقے سے قانون سازی کی جا رہی ہے، مصلمانہ احکام دیے جا رہے ہیں، حکیمانہ ہدایات دی جا رہی ہیں اور تعلیم و نصیحت کا حق ادا کیا جا رہا ہے۔ اس سے صرف یہی سبق نہیں ملتا کہ ہم کو فتنوں کے مقابلے میں، سخت سے سخت اشتعال کے مواقع پر بھی کس طرح ٹھنڈے تدبیر اور عالی ظرفی اور حکمت سے کام لینا چاہیے، بلکہ اس سے اس امر کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ یہ کلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا تصنیف کردہ نہیں ہے، کسی ایسی ہستی ہی کا نازل کیا ہوا ہے جو بہت بلند مقام سے انسانی حالات اور معاملات کا مشاہدہ کر رہی ہے اور اپنی ذات میں ان حالات و معاملات سے غیر متاثر رہ کر خالص ہدایت و رہنمائی کا منصب ادا کر رہی ہے۔ اگر یہ آنحضرت کا اپنا کلام ہوتا تو آپ کی انتہائی بلند نظری کے باوجود اس میں اس فطری تلخی کا کچھ نہ کچھ اثر تو ضرور پایا جاتا جو خود اپنی عزت و ناموس پر مکینہ حلوں کو سن کر ایک بشریف آدمی کے جذبات میں لانا پیدا ہو جایا کرتی ہے۔

اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے

یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، اور اسے ہم نے فرض کیا ہے، اور اس میں ہم نے صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں، شاید کہ تم سبق لو۔

لے ان سب فقروں میں ”ہم نے“ پر زور ہے۔ یعنی اس کا نازل کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ ”ہم“ ہیں، اس لیے اسے کسی بے زور ناصح کے کلام کی طرح ایک ہلکی چیز نہ سمجھ بیٹھنا۔ خوب جان لو کہ اس کا نازل کرنے والا وہ ہے جس کے قبضے میں تمہاری جانیں اور قسمتیں ہیں، اور جس کی گرفت سے تم مر کر بھی نہیں چھوٹ سکتے۔

دوسرے فقرے میں بتایا گیا ہے کہ جو باتیں اس سورے میں کہی گئی ہیں وہ ”سفارشات“ نہیں ہیں کہ آپ کا جی چاہے تو مانیں ورنہ جو کچھ چاہیں کرتے رہیں، بلکہ یہ قطعی احکام ہیں جن کی پیروی کرنا لازم ہے۔ اگر مومن اور مسلم

زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامنگیر نہ ہو اگر تم اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔
تو تمہارا فرض ہے کہ ان کے مطابق عمل کرو۔

تیسرے فقرے میں بتایا گیا ہے کہ جو بیایات اس سورے میں دی جا رہی ہیں ان میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ صاف صاف اور کھلی کھلی بیایات ہیں جن کے متعلق تم یہ عذر نہیں کر سکتے کہ فلاں بات ہماری سمجھ ہی میں نہیں آئی تھی تو ہم عمل کیسے کرتے۔

بس یہ اس فرمانِ مبارک کی تمہید (PREAMBLE) ہے جس کے بعد احکام شروع ہو جاتے ہیں۔ اس تمہید کا اندازِ بیان خود تبارہا ہے کہ سورہ نور کے احکام کو اللہ تعالیٰ کتنی اہمیت دے کر پیش فرما رہا ہے۔ کسی دوسری احکامی سورت کا دیباچہ اتنا پُر زور نہیں ہے۔

۱۔ اس مسئلے کے بہت سے قانونی، اخلاقی، اور تاریخی پہلو تشریح طلب ہیں جن کو اگر تفصیل کے ساتھ بیان نہ کیا جائے تو موجودہ زمانے میں ایک آدمی کے لیے اس تشریحِ الہی کا سمجھنا مشکل ہے۔ اس لیے ذیل میں ہم اس کے مختلف پہلوؤں پر سلسلہ وار روشنی ڈالیں گے :

(۱) زنا کا عام مفہوم جس سے ہر شخص واقف ہے، یہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت بغیر اس کے کہ ان کے درمیان جائز رشتہ زن و شوہر، باہم مباشرت کا ارتکاب کریں۔ اس فعل کا اخلاقاً برا ہونا، یا مذہباً گناہ ہونا، یا معاشرتی حیثیت سے معیوب اور قابلِ اعتراض ہونا، ایک ایسی چیز ہے جس پر قدیم ترین زمانے سے آج تک تمام انسانی معاشرے متفق رہے ہیں، اور اس میں بحرِ آن متفرق لوگوں کے جنہوں نے اپنی عقل کو اپنی نفس پرستی کے تابع کر دیا ہے، یا جنہوں نے خطی پن کی آغوش کو فلسفہ طرازی سمجھ رکھا ہے، کسی نے آج تک اختلاف نہیں کیا ہے۔ اس عالمگیر اتفاق رائے کی وجہ یہ ہے کہ انسانی فطرت خود زنا کی حرمت کا تقاضا کرتی ہے۔ نوعِ انسانی کا بقا، اور انسانی تمدن کا قیام، دونوں اس بات پر منحصر ہیں کہ عورت اور مرد محض لطف اور لذت کے لیے ملنے اور پھر الگ ہو جانے میں آزاد نہ ہوں، بلکہ ہر جوڑے کا باہمی تعلق ایک ایسے مستقل اور پائیدار عہدِ وفا پر استوار ہو جو معاشرے میں معلوم و معروف بھی ہو اور جسے معاشرے کی ضمانت بھی حاصل ہو۔ اس کے بغیر انسانی نسل ایک دن کے لیے بھی

نہیں چل سکتی، کیونکہ انسان کا بچہ اپنی زندگی اور اپنے انسانی نشوونما کے لیے کئی برس کی دردمندانہ نگہداشت اور تربیت کا محتاج ہوتا ہے، اور تنہا عورت اس بار کو اٹھانے کے لیے کبھی تیار نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ مرد اس کا ساتھ نہ دے جو اس بچے کے وجود میں آنے کا سبب بنا ہو۔ اسی طرح اس معاہدے کے بغیر انسانی تمدن بھی برقرار نہیں رہ سکتا، کیونکہ تمدن کی تو پیدائش ہی ایک مرد اور ایک عورت کے مل کر رہنے، ایک گھر اور ایک خاندان وجود میں لانے، اور پھر خاندانوں کے درمیان رشتے اور رابطے پیدا ہونے سے ہوئی ہے۔ اگر عورت اور مرد گھر اور خاندان کی تخلیق سے قطع نظر کر کے محض لطف و لذت کے لیے آزادانہ ملنے لگیں تو سارے انسان بکھر کر رہ جائیں اجتماعی زندگی کی جڑ کٹ جائے، اور وہ بنیاد ہی باقی نہ رہے جس پر تہذیب و تمدن کی یہ عمارت اٹھی ہے۔ ان وجوہ سے عورت اور مرد کا ایسا آزادانہ تعلق جو کسی معلوم و معروف اور مسلم و غیر مسلم پر مبنی نہ ہو، انسانی فطرت کے خلاف انہی وجوہ سے انسان اس کو ہر زمانے میں ایک سخت عیب، ایک بڑی بد اخلاقی، اور مذہبی اصطلاح میں ایک شدید گناہ سمجھتا رہا ہے۔ اور انہی وجوہ سے ہر زمانے میں انسانی معاشروں نے نکاح کی تردید کے ساتھ ساتھ زنا کے سد باب کی بھی کسی نہ کسی طور پر ضرور کوشش کی ہے۔ البتہ اس کوشش کی شکلوں میں مختلف قوانین اور اخلاقی و تمدنی اور مذہبی نظاموں میں فرق رہا ہے، جس کی بنیاد دراصل اس فرق پر ہے کہ نوع اور تمدن کے لیے زنا کے نقصان ہونے کا شعور کس کم ہے اور کس زیادہ، کیس واضح ہے اور کس دوسرے مسائل سے الجھ کر رہ گیا ہے۔

(۲) زنا کی حرمت پر متفق ہونے کے بعد اختلاف جس امر میں ہوا ہے وہ اس کے جرم، یعنی قانوناً مستلزم ہونے کا مسئلہ ہے، اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے اسلام اور دوسرے مذاہب اور قوانین کا اختلاف شروع ہوتا ہے۔ انسانی فطرت سے قریب جو معاشرے رہے ہیں انہوں نے ہمیشہ زنا، یعنی عورت اور مرد کے ناجائز تعلق کو بجائے خود ایک جرم سمجھا ہے اور اس کے لیے سخت سزائیں رکھی ہیں۔ لیکن جوں جوں انسانی معاشروں کو تمدن خراب کرتا گیا ہے، رویہ نرم ہوتا چلا گیا ہے۔

اس معاملے میں اولین تساہل جس کا ارتکاب بالعموم کیا گیا، یہ تھا کہ "محض زنا" (Fornication) اور زنا بزنی غیر (Adultery) میں فرق کر کے، اول الذکر کو ایک معمولی سی غلطی، اور صرف موخر الذکر کو جرم مستلزم سزا قرار دیا گیا۔

محض زنا کی تعریف جو مختلف قوانین میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ "کوئی مرد، خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ کسی ایسی عورت سے مباشرت کرے جو کسی دوسرے شخص کی بیوی نہ ہو" اس تعریف میں اصل اعتبار مرد کی حالت نہیں، بلکہ عورت کی حالت کا ہے۔ عورت اگر بے شوہر ہے تو اس سے مباشرت محض زنا ہے قطع نظر اس کے کہ مرد بیوی رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ قدیم مصر، بابل، آشور (اسیریا) اور ہندوستان کے قوانین میں اس کی سزا بہت ہلکی تھی۔ اسی قاعدے کو یونان اور روم نے اختیار کیا، اور اسی سے آخر کار یہودی بھی متاثر ہو گئے۔ بائبل میں یہ صرت ایک ایسا قصور ہے جس سے مرد پر محض مالی تلافی واجب آتا ہے۔ کتاب خروج میں اس کے متعلق جو حکم ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

"اگر کوئی آدمی کسی کنواری کو جس کی نسبت (یعنی منگنی) نہ ہوئی ہو، پھسلا کر اس سے مباشرت کر لے تو وہ ضروری اُسے ہر دے کر اس سے بیاہ کر لے۔ لیکن اگر اس کا باپ ہرگز راضی نہ ہو کہ اس لڑکی کو اُسے دے، تو وہ کنواریوں کے ہر کے موافق (یعنی جتنا ہر کسی کنواری لڑکی کو دیا جاتا ہو) اسے نقدی دے" (باب ۲۲، آیت ۱۶-۱۷)

کتاب "استثناء" میں یہی حکم ذرا مختلف الفاظ میں بیان ہوا ہے، اور پھر تصریح کی گئی ہے کہ مرد سے لڑکی کے باپ کو پچاس مثقال چاندی (تقریباً ۵۵ روپے) تاوان دلایا جائے (باب ۲۲، آیت ۲۸-۲۹) البتہ اگر کوئی شخص کاہن (یعنی پروہت) (PRIEST) کی بیٹی سے زنا کرے تو اس کے لیے یہودی قانون میں پچاسی کی سزا ہے، اور لڑکی کے لیے زندہ جلانے کی۔ (EVERY MAN'S TALMUD. PP 319-20) یہ تخمین ہندوؤں کے تخیل سے کس قدر مشابہ ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے منو کی دھرم شاستر سے مقابلہ کر کے دیکھیے۔ وہاں لکھا ہے کہ :

"جو شخص اپنی ذات کی کنواری لڑکی سے اس کی رضامندی کے ساتھ زنا کرے وہ کسی سزا کا مستحق نہیں ہے۔ لڑکی کا باپ راضی ہو تو وہ اس کو معاوضہ دے کر شادی کر لے۔ البتہ اگر لڑکی اپنی ذات کی ہو اور مرد نیچے ذات کا تو لڑکی کو گھر سے نکال دینا چاہیے اور مرد کو قطع اعضا کی سزا دینی چاہیے۔ (ادھیائے اشلیک ۳۶۵، ۳۶۶) اور یہ سزا زندہ جلادے جانے کی سزا میں تبدیل کی جاسکتی ہے جب کہ

لڑکی برہمن ہو (اشلوک ۳۷۷)

دھرم ان سب قوانین میں زنا بزنِ غیر کی اصلی اور بڑا جرم تھا یعنی یہ کہ کوئی شخص (خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ) کسی ایسی عورت سے مباشرت کرے جو دوسرے شخص کی بیوی ہو۔ اس فعل کے جرم ہونے کی بنیاد یہ نہ تھی کہ ایک مرد اور عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، بلکہ یہ تھی کہ اُن دونوں نے مل کر ایک شخص کو اس خطرے میں مبتلا کر دیا ہے کہ اسے کسی ایسے بچے کو پالنا پڑے جو اُس کا نہیں ہے۔ گویا زنا نہیں بلکہ اختلاطِ نسب کا خطرہ، اور ایک کے بچے کا دوسرے کے خراج پر پلنا اور اس کا وارث ہونا، اصل بنائے جرم تھا جس کی وجہ سے عورت اور مرد دونوں مجرم قرار پاتے تھے۔ مصریوں کے ہاں اس کی سزا یہ تھی کہ مرد کو لائٹھوں سے خوب پٹیا جائے اور عورت کی ناک کاٹ دی جائے۔ قریب قریب ایسی ہی سزائیں بابل، اشور، اور قدیم ایران میں بھی رائج تھیں۔ ہندوؤں کے ہاں عورت کی سزا یہ تھی کہ اس کو کتوں سے پھڑوا دیا جائے اور مرد کی یہ کہ اسے لوہے کے گرم پتنگ پر لٹا کر چاروں طرف آگ جلا دی جائے۔ یونان اور روم میں ابتداً ایک مرد کو یہ حق حاصل تھا کہ اگر وہ اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو زنا کرتے دیکھ لے تو اسے قتل کر دے، یا چاہے تو اس سے مالِ تان و ان وصول کر لے۔ پھر پہلی صدی قبل مسیح میں قیصر آگسٹس نے یہ قانون مقرر کیا کہ مرد کی آدمی جائداد ضبط کر کے اسے جلا وطن کر دیا جائے، اور عورت کا آدھا ہر ساقط اور اُس کی ۱/۴ جائداد ضبط کر کے اُسے بھی مملکت کے کسی دورِ مازِ حصے میں بھیج دیا جائے۔ قسطنطین نے اس قانون کو بدل کر عورت اور مرد دونوں کے لیے سزائے موت مقرر کی۔ لیو (LEO) اور ماریسین (MARCIAN) کے دور میں اس سزا کو حبسِ دوام میں تبدیل کر دیا گیا۔ پھر قیصر جسٹینین نے اس میں مزید تخفیف کر کے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ عورت کو کوڑوں سے پیٹ کر کسی راہب خانے میں ڈال دیا جائے اور اس کے شوہر کو یہ حق دیا جائے کہ چاہے تو دو سال کے اندر اسے نکال لے، ورنہ ساری عمر وہیں پڑا رہنے دے۔

یہودی قانون میں زنا بزنِ غیر کے متعلق جو احکام پائے جاتے ہیں وہ یہ ہیں :

- اگر کوئی کسی ایسی عورت سے صحبت کرے جو لونڈی اور کسی شخص کی منگیتر ہو اور نہ تو اس کا ذبیہ چھایا گیا ہو اور نہ وہ آناد کی گئی ہو، تو ان دونوں کو سزا ملے، لیکن وہ جان سے نہ مارے جائیں اس لیے

کہ عورت آناد نہ تھی (احبار ۱۹-۲۰)

”جو شخص دوسرے کی بیوی سے، یعنی اپنے ہمسایے کی بیوی سے زنا کرے وہ زانی اور زانیہ دونوں ضرور جان سے مار دئے جائیں“ (احبار ۲۰-۱۰)

”اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں“ (استثناء ۲۲-۳۳)

”اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی ہو (یعنی اس کی منگنی ہوگئی ہو) اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھانگ پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مرجائیں۔ لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسائے کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ پر اگر اُس آدمی کو وہی لڑکی جس کی نسبت ہو چکی ہو، کسی میدان یا کھیت میں مل جائے اور وہ آدمی جبراً اس سے صحبت کرے تو فقط وہ آدمی ہی جس نے صحبت کی مار ڈالا جائے پر اس لڑکی سے کچھ نہ کرنا“ (استثناء ۲۲-۲۳ تا ۲۶)

لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد سے بہت پہلے یہودی علماء، فقہاء، امراء اور عوام، سب اس قانون کو عملاً منسوخ کر چکے تھے۔ یہ اگرچہ بائبل میں لکھا ہوا تھا اور خدائی حکم اسی کو سمجھا جاتا تھا، مگر اسے عملاً نافذ کرنے کا کوئی روادار نہ تھا، حتیٰ کہ یہودیوں کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر تک نہ پائی جاتی تھی کہ یہ حکم کبھی نافذ کیا گیا ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دعوتِ حق لے کر اُٹھے اور علماء یہود نے دیکھا کہ اس سیلاب کو روکنے کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو رہی ہے تو وہ ایک چال کے طور پر ایک زانیہ عورت کو آپ کے پاس پکڑ لائے اور کہا اس کا فیصلہ فرمائیے دیوحناباب ۸-آیت ۱- ۱۱ اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کو کنویں یا کھائی، دونوں میں سے کسی ایک میں کودنے پر مجبور کر دیں۔ اگر آپ رجم کے سوا کوئی اور سزا تجویز کریں تو آپ کو یہ کہہ کر بدنام کیا جائے کہ لیجیے۔ یہ ذرا لے پیغمبر صاحبِ تشریف لائے ہیں جنہوں نے دنیوی مصلحتوں کی خاطر خدائی قانون بدل ڈالا۔ اور اگر آپ رجم کا حکم دیں تو ایک طرف رومی قانون سے آپ کو ٹکرا دیا جائے اور دوسری طرف قوم سے کہا جائے کہ مانو ان پیغمبر صاحب کو، دیکھ لینا، اب توراۃ کی پوری شریعت تمہاری پیٹھوں اور جانوں پر برسے گی۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک ہی فقرے میں ان کی چال کو انہی پر الٹ دیا۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جو خود پاک دامن ہو وہ آگے بڑھ کر اسے پتھر مارے۔ یہ سنتے ہی فقہیوں کی ساری بھیڑ چھٹ گئی، ایک ایک منہ چھپا کر رخصت ہو گیا اور حاملانِ شرعِ متین کی